جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

افضل حسینؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے لیکن
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

”ایک بچہ تھا مُنّا مُنّا۔ بچے کا نام تھا اختر۔ اختر یتیم تھا۔ اس کے ابا مر گئے تھے۔ صرف امّاں تھیں۔ ایک دن کی بات ہے اختر مدرسے گیا۔ مدرسے کے سب بچوں کے پاس پڑھنے لکھنے کا سامان تھا۔ اختر کے پاس کچھ نہیں تھا۔ سب کے کپڑے اچھے تھے۔ اختر کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔

اختر منہ بسورتا گھر پہنچا۔ امی نے رونی صورت دیکھی، پوچھا: ''میرے لال! کیوں رو رہے ہو؟'' اختر بولا: ''امی جان! سب کے ابا بڑے اچھے ہیں۔ اپنے بچّوں کے لیے اچھے اچھے کپڑے بنوا دیتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا سارا سامان لا دیتے ہیں۔ ہمارے ابا کیوں نہیں بھیجتے؟ آپ پتہ بتا دیں، میں ان کو خط لکھوں گا''۔ ''بیٹا وہ تو مر گئے'' امّی نے جواب دیا۔ ''تو پھر ہم کو کما کر کھلاتا کون ہے؟'' اختر نے پوچھا۔ ''ہم کو سب کچھ اللہ میاں دیتے ہیں'' امّی نے کہا۔ اختر بولا، ''اچھا اللہ میاں کا پتہ بتا دو۔ میں ان کو خط لکھ دوں''۔ امی نے پتہ بتا دیا۔ اختر نے اللہ میاں کو خط لکھا۔

پیارے اللہ میاں! السلام علیکم!

میرے پاس نہ تو کتابیں ہیں اور نہ قلم دوات۔ کپڑے بھی پھٹ گئے ہیں۔ آپ میرے لیے یہ سب چیزیں بھیج دیں۔ ہمارے ابا مر گئے ہیں۔ امّی کہتی ہیں کہ ہم کو سب کچھ آپ ہی دیتے ہیں، آپ کو چھوڑ کر ہم کس سے مانگیں۔

فقط

آپ کا بندہ

اختر

اختر نے خط بند کیا اور لفافہ پر پتہ لکھا۔

بخدمت جناب اللہ میاں

مقام عرش

ملک آسمان

خط لے کر ڈاک خانے پہنچا۔ لیٹر بکس میں ڈالنا چاہا سوراخ اوپر تھا۔ ہاتھ پہنچ نہ سکا، ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک بڑے میاں آ رہے تھے۔ اختر نے ان سے خط ڈالنے کے لیے کہا۔ بڑے میاں نے خط ہاتھ میں لیا۔ پتہ دیکھا۔ پوچھا خط میں کیا لکھا ہے۔ اختر نے بتایا۔

بڑے میاں اس کے بھولے پن پر مسکرائے۔ گھر آئے۔ ایک جوڑا کپڑا بنوایا۔ پڑھنے لکھنے کا سامان خریدا۔ تھوڑی سی مٹھائی لی، اور لے کر اختر کے گھر پہنچے۔ بولے: ''کیوں بیٹے اختر! تم نے اللہ میاں کو خط لکھا تھا۔ دیکھو اللہ میاں نے تمھارے لیے کتنی اچھی اچھی چیزیں بھیجی ہیں''۔ اختر نے خوشی خوشی سب چیزیں لے لیں اور اللہ میاں کا شکر ادا کیا۔[10]“

(افضل حسین)

افضل حسین

پیدائش اور تعلیمی سفر: افضل حسین صاحب یکم فروری 1918 میں یو پی کے ضلع بستی کے علاقہ اجیار کے دودھارا گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب نے اس زمانے میں بھی اپنے بچوں کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی ہوئی، انٹر بستی شہر سے کیا اور بی اے، ایم اے کی ڈگریاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ اس کے بعد آگرہ سے ایل ٹی کیا پھر جھانسی میں وائس پرنسپل کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ علی گڑھ کے زمانہ تعلیم میں ہی ترجمان القرآن سے شناسائی ہوئی، پھر باقاعدہ جماعت اسلامی کے رکن بنے۔ جھانسی کی سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ آپ دفتر جماعت اسلامی جھانسی کے انچارج بھی رہے۔

ماہر تعلیم: تقسیم کے بعد جب ملیح آباد (لکھنؤ) میں جماعت اسلامی ہند کا مرکز قائم ہوا تو جماعت نے وہیں مرکزی درسگاہ اسلامی کی بنیاد بھی رکھی۔ جناب افضل حسین صاحب اس نئی درسگاہ کے ناظم مقرر کیے گئے۔ افضل حسین صاحب محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازم تھے، ترقی کے امکانات روشن تھے، تنخواہ بھی خاصی تھی مگر تحریک کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے انہوں نے عیش و آرام کی زندگی تج دی، سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور معمولی سے کفاف پر بطور ناظم مرکزی درسگاہ اسلامی کی کمان سنبھال لی۔ 1949 میں مرکز جماعت کے ساتھ ساتھ مرکزی درسگاہ بھی رامپور منتقل ہوگئی۔ یہاں بھی موصوف نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ جب درسگاہ میں معیاری نصابی کتب کی عدم دستیابی کا مسئلہ اٹھا تو افضل حسین نے اس 'مصیبت' سے بھی کما حقہ نپٹنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اردو، ہندی، تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور اسلامیات کے مختلف الجہات موضوعات پر نرسری سے لے کر آٹھویں درجے کی تقریباً تمام ہی کتابیں خود مرتب کرلیں۔ مواد کے اعتبار سے اس اعلیٰ معیار کی درسی کتب آج بھی شاذ ہیں۔ طرہ یہ کہ ایثار و قربانی کے اس پیکر عظیم نے اپنی مرتب کردہ 65 کتابوں کی

کبھی کوئی رائلٹی نہیں لی۔ فن تعلیم و تربیت کے نام سے انہوں نے جو کتاب لکھی وہ آج بھی اساتذہ اور بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی مرتب کردہ اخلاقی کہانیاں، منی کہانیاں، آسان کہانیاں، موتیوں کا ہار یا عام درسی کتب حتی کہ ریاضی جیسا عدم دلچسپی کا مضمون بھی طلبہ میں دین کی خدمت کی جوت جگاتا ہے۔ وہ بچوں کو ''دھنکنے'' کے سخت مخالف تھے اور پیار و دلار سے کام نکالنے میں ماہر تھے وہ بچوں کے کھیل کود اور جسمانی ورزش پر بھی اتنا ہی دھیان دیتے تھے جتنا کہ پڑھائی پر۔

مرکز جماعت: 1960 میں مرکز جماعت رامپور سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔ افضل حسین صاحب کو نظامت سے سبکدوش کر کے مرکز بلا لیا گیا۔ **سمعنا و اطعنا** کی مومنانہ اسپرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے افضل حسین صاحب بلا چوں و چرا مرکز آ گئے اور بحیثیت سکریٹری اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ 1972 میں مولانا محمود یوسف صاحب امیر جماعت ہوئے تو افضل حسین کا تقرر بحیثیت قیم جماعت (جنرل سکریٹری) عمل میں آیا۔ موصوف آخری دم تک اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ 1975 کی ایمرجنسی میں وہ بھٹنڈہ جیل میں تقریباً 21 ماہ تک نظر بند بھی رہے۔ جیل میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے ان کی محبت اور سلوک ہی کا ثمرہ تھا کہ جب وہ رہا ہوئے تو پھولوں سے لاد کر پورے شہر میں ان کا جلوس نکالا گیا۔

وقت کے استعمال کے معاملے میں بھی وہ بہت محتاط تھے۔ اکثر وہ فجر کے تھوڑی دیر بعد سے ہی شب کے بارہ، ایک بجے تک کام کرتے رہتے۔ اخیر تک اس اس معمول میں سوائے علالت کے کوئی فرق نہ آیا۔ افضل حسین صاحب ایک بہترین پروگرام ساز تھے۔ ان کی علمی و تحریکی خدمات کے علاوہ ہندوستان میں ان کی ملی خدمات بھی ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ہفت روزہ ریڈینس کا اجراء ہو یا آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل، اسی طرح یوپی کے دینی تعلیمی کونسل کے قیام میں بھی آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا۔

اخلاق و کردار: افضل حسین صاحب کا ایثار اور ان کی سادگی تو ضرب المثل تھی ہی، موصوف کا کردار بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنے والے جو جماعت اسلامی سے کھنچے کھنچے رہتے تھے، ذاتی طور پر ان کے گرویدہ تھے۔ افضل حسین صاحب علمی سے زیادہ عملی انسان تھے۔ اپنے

نصب العین سے ان کا تعلق صرف فکری نہیں بلکہ جذباتی بھی تھا۔

وہ کافی نرم خو اور نرم دل تھے۔ اپنی بات کو نرمی اور اپنائیت سے سمجھا دینے پر قادر تھے۔ غیر ضروری رکھ رکھاؤ کے عادی نہیں تھے۔ ان کو غصہ بہت کم آتا تھا۔ ان کا سینہ ہر قسم کے تکدر سے پاک رہتا تھا۔ بصورت اختلاف اور سخت سے سخت بات پر بھی وہ مشتعل ہونے کا نام نہ لیتے تھے اور فریق مخالف کو اس اعلیٰ ظرفی اور شرافت کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کردیتے تھے۔ ان کو اس بات کی کوئی فکر ہی نہیں تھی کام کا کریڈٹ کس کو مل رہا ہے، حتی الامکان پبلسٹی سے دور رہتے اور خود نمایاں ہونے سے بچتے تھے۔ سنن ونوافل کا شدت سے اہتمام تھا اور اوراد ووظائف کے پابند تھے۔ ہر فرض نماز کے بعد کچھ وقت تسبیحات میں ضرور لگاتے تھے۔ وقت کے صحیح استعمال کا یہاں تک خیال تھا کہ صبح جب ٹہلنے نکلتے تو بھی تلاوت قرآن اور تسبیحات سے رطب اللسان رہتے۔ اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے، دوسروں پر حکم چلاتے رہنا ان کا شعار نہ تھا، سمع وطاعت کا پیکر ایک کارکن، مجسم ایثار وقربانی، ماہر تعلیم وقیم جماعت... زندگی کے ہر رول میں افضل حسین نے آنے والوں کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا۔

یکم جنوری 1990 کی صبح تحریک اسلامی ہند کا یہ چشم وچراغ اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!